مجید امجد کی نظم: مقامیت پسند شعری جمالیات

Majeed Amjad's Poem:Localism Poetry Aesthetics

سدرہ خلیل، لیکچرار گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، پھول نگر، قصور

Sidra Khalil, Lecturer, Associate College For Women, Phol Nagar, Qasoor

ABSTRACT

In his poems, Majeed Amjad has described localism an local civilization in a modern way. The narration of his poems is an important experience in terms of his poetic temperament, form and technique. Majeed Amjad's poems are full of diversity and diversity regarding life, society and the mysteries of the universe and its demonstrative implications. This descriptive aspect of locality is freely expressed by Majeed Amjad. The localism, cultural aspect and aesthetic beauty in his poems coincides with all other beings. Which is a special chain of continuity of Punjab's values and traditions. By mixing the social life of Punjab and human emotions and feelings, the local language has been raised to a creative level.

Keywords: Majeed Amjad, Localism, Cultural Elements, Contemporary, Sensitivity, Punjabi Culture, Linguistic Element.

کلیدی الفاظ : مجید امجد، مقامیت پسندی، تہذیبی عناصر، عصری حسیّت، پنجابی کلچر، لسانی عناصر

مجید امجد بیسویں صدی کے ربع دوم کے منفرد اوردرخشندہ ستارے ہیں جو شعرائے ادب میں جدید شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے شعری سفر کا آغاز نظم گوئی سے ہوا۔ اس سفر میں مجید امجد نے بلندئ فکر اور فلسفیانہ تصورات سے کام لیتے ہوئے، اپنے خیالات کو نئے پیراڈیم میں ڈھال کر عہد جدید کے مزاج سے ہمکنار کیا۔ ان کی بنیادی شناخت و پہچان ان کی شاعری ہے جو اپنے تمام تر مظاہر، معانی و مفاہیم اور کئی نئے زاویوں اور جہتوں کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ اُردو شاعری خصوصاً نظم گوئی کے افق پر منفرد فکر و فن اور دھیمے لہجے سے اپنے شعری و ادبی سفر کا آغاز کیا۔ جدید اُردو نظم کی ارتقائی تاریخ و تناظر میں مجید امجد کی

شاعری اوجِ کمال کو چھوتی ہوئی مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے جس بنا پر ان کی حیثیت فقید المثال ہے۔ مجید امجد نے تخلیقات کے فنی ارتقا اور فنکارانہ مہارت کے ساتھ عصری تقاضوں کے پیش نظر سماجی احساس کو رنگا رنگ افکار کے اعلیٰ نمونے میں ڈھال کر پیش کیا۔ یہ تخلیقی عمل ان کے ذہنی و حسی انبساط میں تنوع اور توسع کے مسلسل اضافے کے ساتھ عمل پذیر ہے۔ نظموں میں ان کا اندازِ فکر جدید ترین ڈھب میں ڈھل کر ندرتِ خیال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یوں مجید امجد کی نظمیں نئی فکری اجتہاد کی بدولت معانی کے نئے امکانات کا لبادہ اوڑھے ہوئے فکر و فن کے حسین امتزاج سے عبارت ہیں جنھوں نے جدید اُردو شاعری کو نئے شعری آہنگ سے آشنا کیا۔ شاعری اگرچہ مجید امجد کا فطری اظہار ہے مگر اس اظہار کے لیے انھیں مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ یہ مراحل ان کے گردوپیش میں پھیلی ہوئی کائنات کے اسرار و رموز اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ انہی حقیقتوں کا ادراک ان کے یہاں تخلیقی عمل پاکر فطری اظہار کا موٴجب بنتا ہے۔ مجید امجد کی شاعری خصوصا نظمانہ پہلو تمام ناقدین و محققین کا ایک اہم اور دلچسپ موضوع رہا ہے لیکن جملہ ناقدین مجید امجد کی نظموں کے مختلف پہلوؤں کو توضیحی و تعارفی اور تاثراتی صورت پیش کرتے ہیں۔ جو ان کے ارتقائی سفر کے ساتھ ساتھ ان کے نئے شعری تناظر کی فکری بلندی کو سمجھنے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ مجید امجد کی نظم گوئی کی فکری و معنوی تفہیم ان نشانات و مضمرات کا احاطہ کرتے ہوئے فکری اجتہاد، تخلیقی تجربے کی عمق اور ہمہ جہتی کی عکاس معلوم ہوتی ہے۔ گزشتہ صدی سے اب تک مجید امجد کی نظم نگاری کو مختلف زاویہ نظر سے دیکھنے کی سعی کی جاتی رہی ہے جو ادب کے قارئین کے لیے سود مند ثابت ہوئی۔ ہمارے پیش نظر مجید امجد کی نظموں میں موجود مقامیت پسندی ہے جس کو مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا جائے گا۔ مجید امجد کی نظم کی فکری تفہیم کا مقامیت پسند جائزہ تمام متن کو محیط ہے۔ ذیل میں ان کی نظموں میں موجود مقامیت کے پیش نظر تخلیقی و شعری تجربے کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے ان کی نظم نگاری کا نیا اور منفرد روپ قارئین کے سامنے آئے گا جو کہ حقیقتا ایک بڑے شاعر کے عصری شعور اور منفرد اسلوب پر دلالت کرتا ہے۔

مقامیت دراصل ذہنی رویے کا نام ہے جس کی تہہ میں تخلیق کار یا متن ساز مختلف کائناتی مظاہر، تہذیب و معاشرت کے ساتھ بدلتی ہوئی یا نئی ثقافتی اور تاریخی صورتِ حال کو فلسفیانہ قضیوں کی صورت پیش کرتا ہے۔ مقامیت سے مراد ہمارے ارد گرد کی معاشرت، معاشرتی مسائل و اسباب، سماجی و معاشی رویے، تہذیبی رنگا رنگی، اخلاقیات، فنون،

طبعی و جغرافیائی حالات، نظامِ فکر و احساس، مذہب، اقدار و روایات، رہن سہن کے طریقے اور چال چلن ہے۔ ان عناصر کے ساتھ ساتھ کئی دیگر پہلو شامل ہیں جن کے تحت معاشرہ وجود پاتا ہے اور معاشرے کا عام انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ زندگی اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی وسیع و عریض کائنات پر محیط ہے۔ ادب اسی مقامیت کے بطن کا وہ نوزائیدہ ہے جس میں فطری مظاہر ،افکار، احساسات و جذبات، تجربات و مشاہدات، معاملات و تصورات، خواہشات، مجبوریاں، مسرت و انبساط ،زندگی کی محرومیوں اور ناکامیوں کا جائزہ بآسانی لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے مقامیت کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ اس عہد کے عصری تقاضوں سے میل کھاتے ہوئے اپنا تعلق کائناتی مظاہر سے جوڑتی ہے۔ اس کا تعلق انسان، کائنات اور خدا سے بھی مملو ہے لیکن یہ تجریدی اظہار سے مختلف ہے کیوں کہ اس کا تعلق وقت، کائنات اور تہذیب و تمدن کی اعلیٰ افکار و اقدار سے ہے۔ اس لیے مقامی عوامل و عناصر وقت اور نقل و حرکت کے ساتھ متوازی چلتے نظر آتے ہیں۔ ثقافت و مقامیت اور تہذیبی شعریات کی افکار و انحراف کی نامیاتی اور متحرک روایت ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ مجید امجد کی بعض نظموں کا شعری پس منظر اسی تہذیبی و مقامی روایت سے انسلاک کیے ہوئے ہے۔ ان کی یہ تہذیبی حسیّت مشاہدانہ بصیرت و آگہی کی دین ہے۔

مجید امجد کے کلام میں پنجاب کی تہذیبی و سماجی زندگی کا عکس وضاحتی صورت میں موجود ہے۔ تہذیبی روایات ازل سے چلی آ رہی ہیں جو کسی بھی قوم یا سماج کے کلچر کا عکاس ہوتی ہیں۔ مجید امجد نے ان تہذیبی ثقافتوں کو بہ یک وقت مقامی اور آفاقی کلچر سے منسلک کر کے پیش کیا ہے۔ جس میں انسانی اخلاقی افکار و اقدار ،معاشی و معاشرتی مسائل و معاملات اور تاریخی و تہذیبی شعور بھی شامل ہے۔ مجید امجد اپنے کلام میں داخلی و خارجی ہر دو سطح سے تہذیب اور تمدن کے وسیع تناظر کو پیش کرتے ہیں جو کہ مقامیت کی ذیل میں آتا ہے۔ انھوں نے اسی مقامیت اور اپنے عہد کے مستقبل کے طول و عرض کے ساتھ نئے دور کے وضاحتی بیانیے پیش کر کے مشاہدات و نظریات کے تحت مختلف حقائق و نتائج نظم کیے ہیں۔

تہذیب ایک خطے یا معاشرے کے تمام تر خدوخال پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ خدوخال خارجی مظاہر اور داخلی احساسات دونوں کے متحمل ہیں۔ مجید امجد نے اپنی شاعری میں ثقافت یا کلچر کی اصطلاح کے بجائے ''تہذیب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کے یہاں تہذیب ہی روایتی صورت میں ترقی کی اعلیٰ سطح ہے جو وسیع معنوں میں اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے۔ جس میں وہ انسان کو مہذب اور انسانی معاشرے کو متحرک اور عمل پذیر دکھاتے ہیں۔ یہی تہذیبی رنگ

زندگی اور فطرت کو سمجھنے کا اہم محرک اور وسیلہ ہے۔ مجید امجد کے تہذیبی ثقافتی مطالعات کے سیاق و تناظر کی تفہیم کے لیے ڈاکٹر نبیل احمد نبیل، سر سید احمد خان کی استعمال کردہ اصطلاح ''سویلزیشن'' کو بروئے کار لاتے ہیں۔ڈاکٹر نبیل احمد نبیل لکھتے ہیں:

> مجید امجد کا اردو شاعری کی روایت کا نہایت گہرا اور وسیع مطالعہ تھا، وہ ثقافت کی اصطلاح کی بجائے تہذیب کی اصلاح بروئے کار لائے ہیں۔ اہل مشرق، ادیب و دانشور اور شعرا نے عمومی طور پر سر سید کے وضع و متعین کردہ مفہوم میں ہی تہذیب کی اصلاح کو برتنے سے سروکار رکھا ہے۔ یہ سلسلہ مجید امجد تک اسی روایت کے تسلسل کا نتیجہ ہے۔ کلچر در حقیقت لاطینی اور جرمن زبان میں پہلے پہل کلڑا کے تلفظ کے ساتھ استعمال ہوا۔ بعد ازاں انگریزی زبان میں کلچر کی شکل اختیار کر گیا اور اسکرنے کے ساتھ ساتھ ان سے متاثر بھی ہوتا ہے۔(ا)

مجید امجد نے ''تہذیب'' کا لفظ استعمال کر کے تخلیقی پیرائے میں وسیع النظری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہ ان کے وسیع و عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ثقافت عام طور پر لوگوں کی زندگی کی عکاس ہے جس میں ان کا رہن سہن، علم، تجربات اور تہذیب میں دستکاری، عمارت گری، تجربے، عقائد و افکار اور طریقہ ہائے زندگی شامل ہیں۔اس ضمن میں ان کی نظمیں ''بارش کے بعد'' اور '' مقبرہ جہانگیر'' اہم ہیں۔ مجید امجد نے ان نظموں میں باقاعدہ تہذیب کا لفظ استعمال کیا ہے:

حسن تہذیب کا آئینہ خوبی --- بازار
چہرۂ شہر پہ دو شوخ لٹوں کا جادہ
جس کے دو رویہ ، پُر آشوب کمیں گاہوں میں
جسم اور دل کے لذائذ کی صفِ استادہ
راہگیروں کی نگاہوں کو صدا دیتی ہے (۲)
صفِ ایام کی بکھری ہوئی ترتیبیں ہیں

ان کے سائے ہیں کہ ڈھلتی ہوئی تہذیبیں (۳)

مجید امجد کے فکر و فن میں ہمیں پنجاب کی ثقافت کی عکاسی اور ترجمانی ملتی ہے۔ وہ پنجاب کی معاشرتی و دیہی زندگی کو پنجاب کی تہذیب کے ساتھ تخلیقی سطح پر اجاگر کرتے ہیں۔ انھیں مشاہدے پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی لہذا وہ ثقافت کو بھی موضوعاتی و اسلوبیاتی سطح پر نئی ذہنی اُپج اور نئے ہیئتی تجربات کی صورت بیان کرتے ہیں اس لیے پنجاب کے زرعی معاشرے اور وہاں کی صورت حال کی منظر کشی نئے بیانیے کی صورت ملتی ہے۔ مجید امجد نے انسانی تہذیب و معاشرت کو شاعرانہ تمثالوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ ان کی نظموں میں ماحول، شجر، پرندے، نہریں، فصلیں، کھیت، کھلیان اور دیگر تہذیبی علامات صدہارنگوں میں بکھری نظر آتی ہیں۔ ان کی نظموں میں یہ مقامیت پسندی تہذیب کی رو سے آرٹ اور آرکی ٹائپل کی صورت موجود ہیں۔ جس سے تہذیبی مناظر کی تصویریں آئل پینٹنگز کی طرح نمودار ہوتی ہیں۔ مجید امجد پنجاب کی زراعت، سماج اور انسان کا رشتہ ایک تکونی صورت میں ملتا ہے۔ پنجاب کی تہذیب کثیر الجہتی ہے۔ مجید امجد پنجاب کی اسی تہذیب و ثقافت کا وسعت کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ مختلف رنگوں کے ملاپ سے پینٹنگز کے بہت واضح تاثرات پیدا کرتے ہیں جو روزمرہ کی تہذیب اور مقامی اقدار سے منسلک ہیں۔ اس طرح وہ مقامیت کی رو میں اپنے خیالات کے تانے بانے تخلیق اور اظہار کی رو سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> امجد کی شعری جمالیات، آرکی ٹائپل، اسطوری ہے۔ امجد اشیا، افراد، واقعات کو 'جمالیاتی اسطورہ' میں بدلتے ہیں۔(۴)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس اسطوری تفہیم کے لیے نظم ''ہڑپے کا ایک کتبہ'' کی شعری مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اس نظم میں تین کا ہندسہ ایک عجیب اسطوری شان سے ابھرا ہے۔ نظم کا عنوان ''ہڑپے کا (ایک) کتبہ'' تین لفظوں پر مشتمل ہے۔ نظم تین تین مصرعوں کے تین بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کے الگ الگ تین قافیے ہیں۔ پہلا بند ملاحظہ کیجیے:

بہتی راوی ! ترے تٹ پر ۔۔۔ کھیت اور پھول اور پھل

تین ہزار برس

بوڑھی تہذیبوں کی (۵)
چھل بل!
دو بیلوں کی جیوٹ
جوڑی، اک ہالی، اک
ہل!

مجید امجد کے یہاں زندگی اور اس کے حسن کا گہرا شعور ہے۔ وہ زندگی کے تجربات اور مناظر سے معنی خیز نتائج اخذ کرتے ہیں۔ معنی خیزی کی یہی خوبصورتی ان کے کلام کی اہم خوبصورتی ہے۔ مذکورہ نظم میں مجید امجد نے راوی کے کنارے خوبصورت پھول، پھل اور کھیت کھلیانوں کا ایک دلاویز منظر دکھایا ہے۔ جس میں بیلوں کی ایک جوڑی اور ہل بہ یک وقت نظامِ حیات اور جہدِ حیات کو واضح کرتے ہیں اور تین ہزار برس پرانی تہذیب کے ساتھ یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مظلوم کسان صدیوں سے جاگیر دارانہ نظام کے جبر و تشدد کا شکار رہا ہے۔ کسان کی تکلیفوں، دکھ، محنت و مشقت اور جہد کو تاسف آمیز انداز میں یوں بیان کیا ہے:

آگ میں جلتا پنجر ہالی کا ہے کو انسان،
کون مٹائے اُس کے ماتھے سے یہ دُکھوں کی ریکھ
ہل کو کھینچنے والے جنوروں ایسے اُس کے لیکھ
تپتی دھوپ میں تین بیل ہیں ، تین بیل ہیں ، دیکھ (۶)

مجید امجد کے یہاں طبقاتی شعور بھی ثقافت کی رو میں نظر آتا ہے اس حوالے سے ان کی نظم ''کُلبہ وایواں'' ان کے عمیق مشاہدے پر دلالت کرتی ہے۔ اس نظم میں دو متضاد کردار ایک کا تعلق جھونپڑی میں رہنے والے سے ہے اور دوسرا ایوانوں میں زندگی کی آسائشوں سے فیض یاب ہے مگر اسے طمانیت قلب کسی طور پر میسر نہیں۔ مجید امجد امراء اور غریب طبقہ جو زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم طبقے کا تقابل پیش کرتے ہیں۔ مجید امجد کی نظم ''کلبہ وایواں'' پنجاب کے منظر اور زرعی معاشرے کا ایک ایسا مظہر ہے جس کا خمیر پنجاب کی سرزمین کی سوندھی مٹی سے گندھا ہوا ہے۔ یہاں پرولتاری کلاس اور اشرافیہ طبقے کی جدلیات کو بھی دیکھا جا سکتا ہے، جو ان کے طبقاتی شعور کے گہرے مطالعے پر دال ہے۔ نظم ''کلبہ وایواں'' ملاحظہ کیجیے:

گھاس کی گٹھڑی کے نیچے وہ روشن روشن چہرہ،

رُوپ ، جو شاہی ایوانوں کے پھولوں کو شرمائے
بھیک کے اک ٹکڑے کو ترستی کھوئی کھوئی آنکھیں
پلکیں ، جن کے نیچے لاکھوں دنیائوں کے سائے
تم اچھے ہو ان ہونٹوں سے جن کی خونیں سُرخی
محلوں کے سینوں کے اندر آگ لگاتی جائے
تم خوش قسمت ہو ان آنکھوں سے جن کی تنویریں
سونے چاندی کے ایوانوں میں ، مرگھٹ کے سائے (۷)

''کلبہ وایواں'' گہرے طبقاتی شعور کی حامل نظم ہے۔ نظم کا آغاز تو ایک عام مظہر سے ہوتا ہے مگر دوسرا حصہ ان کی سوچ، تخلیقیت آفریں فکر اور حسن پرور اسلوب کا ترجمان ہے مثلاً جھونپڑی میں رہنے والے ایوانوں میں رہنے والوں سے بہتر ہیں اور وہ ان جھونپڑی میں سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔اس طرح ان کی دیگر نظمیں ''بس اسٹینڈ پر'' اور ''خدا-ایک اچھوت ماں کا تصور'' قابلِ ذکر ہیں۔

تخلیقی متن میں مقامیت شاعر کے دل اور تخیل کی آمیزش سے وجود میں آتی ہے۔ مجید امجد نے اپنے تخلیقی رویے سے پنجاب کی ثقافت مقامی تہذیب اور اس سے جڑی روایات کو از سرِ نو اجاگر کیا ہے۔ پنجاب کی مخصوص تہذیبی و سماجی روایات، اقدار اور سماجی رشتوں کی ترجمانی ملتی ہے۔ نظم '' بُندا'' دراصل پنجاب کے روایتی کلچر اور ثقافتی مظہر کی ایک عمدہ مثال ہے۔ جس میں پنجاب کی عورتوں کے بناؤ سنگھار کا ذکر ہے اور '' بُندا'' بھی پنجاب کی ہی عورتیں پہنتی ہیں:

کاش میں تیرے بُنِ گوش میں بُندا ہوتا!
رات کو بے خبری میں جو مچل جاتا میں
تو ترے کان سے چُپ چاپ نکل آتا میں
صبح کو گرتے تری زلفوں سے جب باسی پھول
میرے کھو جانے پہ ہوتا ترا دل کتنا ملول! (۸)

مذکورہ نظم پنجاب کے مقامی لباس اور کلچر کی خوبصورت روایت کو پیش کرتی ہے۔ مجید امجد نے اس نظم کے بیانیے میں شدید داخلیت اور جمالیاتی کیفیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کی اس جمالیاتی شعریت کا تناسب حسن آفریں اور معنی خیز ہے۔اسی حسنِ تصور کی حامل ایک نظم ''معاشرہ'' ہے جو پنجاب کے تہذیبی معاشرے کی روداد سناتی دکھائی

دیتی ہے۔ جس میں رات کے اندھیرے، سرسراتے وجودی سایوں، نچت انگڑائی، رات کی خاموشی، صحن میں چارپائیوں کے گرد پھیلی خاموشی اور منڈیر پر سجا گملا جیسی تراکیب ہمارے تہذیبی و ثقافتی رہن سہن اور اس سے جڑے لوازمات کی طرف وضاحتی اشارہ کرتی ہیں۔ پنجاب کی ثقافت میں کشادہ صحن میں چارپائیاں بچھا کر سونا ایک قدیم روایتی صورت میں موجود ہے۔ مجید امجد اس خوبصورت منظر کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

رات، خاموشیاں، دھڑکتے دل
صحن میں چارپائیوں کے گرد
ہمہ تن گوش، جاگتی دیوار۔۔۔
جھانکتا سر۔۔۔ منڈیر پر گملا
دیکھتی آنکھ۔۔۔ نیم وا روزن (۹)

اس کے برعکس آج کا انسان جدید دور کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ انسان نے اس جدید دور کو اپنا تو لیا ہے لیکن وہ ذہنی طور پر اسے قبول نہیں کر پا رہا۔ دنیا بظاہر ترقی کر رہی ہے مگر اس میں زندگی کی کسک ابھی بھی باقی ہے۔ مجید امجد ان جدید نفسیاتی مسائل اور تہذیب سے دوری کی وجہ سے زمین، زندگی اور اس کی بنیادی ضرورتوں کے اصل محرک کی طرف پلٹنے کی خواہش کرتے ہے جس سے ان کے یہاں فطرت اور مٹی سے موانست کی ایک صورت سامنے آتی ہے۔

مجید امجد فطرت پسند شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوئے تو کم و بیش تمام ناقدین نے مجید امجد کے تصورِ حیات و کائنات اور فطرت پر لکھنے کی جست کی ہے۔ اہلِ علم اور ناقدین نے مغربی افکار کے ساتھ ساتھ کلاسیکی شاعری میں موجود فطرت نگاری سے تقابل کر کے مجید امجد کو جدید و کلاسیکل شعرا کے بالمقابل شاعر فطرت کے طور پر تسلیم کیا۔ ان کے خیال میں مجید امجد نے اردو شاعری میں موجود مناظرِ فطرت کے تمام پوشیدہ رموز کو نیا فکری آہنگ دے کر منفرد مقام عطا کیا ہے۔ مجید امجد کی نظموں میں فطرت کی گوناگوں نمایاں تصور کشی موجود ہے اور وہ حسنِ ذات کے حوالے سے کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ متحرک کائنات میں بکھرے ہوئے تحرک پذیر حسن کی تلاش سے ان کی نظموں میں در آنے والے مناظر فطرت متحرک دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے آس پاس اور ارد گرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات کے اور اس کائنات میں موجود مختلف النوع مناظر سے ایک خاص امیج پیدا کرتے ہوئے ان میں موجود مضمر گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ جس سے یہ تمام مناظر ایک غیر معمولی تخلیقی عمل سے غیر

معمولی نظم میں متشکل ہو جاتے ہیں اور یہ مناظر نظموں میں رنگارنگی پیدا کرتے ہیں۔ کھیت کھلیان، ہر بھری فصلیں، چرواہے، جنگل پہاڑ، برستی پھواریں، پھول کی خوشبو، ہواؤں کے جھونکے، مندر کی گھنٹیاں غرض کہ وادیاں اور ہر قسم کے مظاہرِ فطرت ان کی شاعری کا موضوع بنتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اپنے مضمون "مجید امجد ــ شاعرِ حیات و کائنات" میں مجید امجد کی فطرت نگاری اور حیات و کائنات کے خوبصورت تصور پر جامع تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"مجید امجد کے ہاں حیات اپنی تمام گونا گونی اور رنگارنگی کے ساتھ موجود ہے۔"(۱۰)

فطرت و کائنات کی یہ رنگارنگی ان کی نظم " امروز" میں اپنا حسن برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجیے:

یہ صہبائے امروز، جو صبح کی شاہزادی کی
مست انکھڑیوں سے ٹپک کر
بدورِ حیات آگئی ہے، یہ ننھی سی چڑیاں جو
چھت میں چہکنے لگی ہیں
ہوا کا یہ جھونکا جو میرے دریچے میں تلسی
کی ٹہنی کو لرزا گیا ہے
پڑوسن کے آنگن میں، پانی کے نلکے پہ یہ
چوڑیاں جو چھنکنے لگی ہیں (۱۱)
یہ دنیائے امروز میری ہے، میرے دلِ
زار کی دھڑکنوں کی امیں ہے
یہ اشکوں سے شاداب دو چار صبحیں، یہ
آہوں سے معمور دو چار شامیں!
انہی چلمنوں سے مجھے دیکھنا ہے وہ جو کچھ
کہ نظروں کی زد میں نہیں ہے

مذکورہ نظم میں مجید امجد نے جزئیات نگاری کو بہت مہارت سے پیش کیا ہے۔ جس سے وہ مسرت و انبساط کا پہلو اخذ کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سہیل احمد خان:

''مجید امجد نے حال کے لمحے اور گرد و پیش کے
چھوٹے چھوٹے مناظر کو حصار کے طور پر
استعمال کیا ہے۔۔۔۔ گو یہ احساس ضرور رہتا
ہے کہ روشنی کے ان چھوٹے چھوٹے رقبوں
کے چاروں طرف ایک بہت بڑا سیاہ دائرہ پھیلا
ہوا ہے۔ بہر حال اس رویے کی وجہ سے مجید
امجد کے فن کے دونوں موضوعاتی دائرے یعنی
گرد و پیش کی واقعیت اور زمان و مکان کا فلسفیانہ
احساس ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے
ہیں۔''(۱۲)

مجید امجد کی نظمیں جمال پرستی کا مظہر ہیں جو دل و نگاہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مجید امجد اپنے تجربات و مشاہدات کو نہایت عمدگی سے شعری پیکر عطا کرتے ہیں۔ ان کے یہاں شعری کائنات میں فکری اعتبار سے رنگا رنگی پائی جاتی ہے جو زندگی کی سرگوشیوں کو مختلف زاویوں سے پیش کرتی ہے۔ مجید امجد نے فطرت کا حکیمانہ مطالعہ کرنے کا رجحان پیدا کیا۔ اس لیے وہ اپنے فکری تناظر کی تشکیل میں فطرت کی رنگینی، خوبصورتی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور زندگی و کائنات کے مختلف پہلوئوں کو اپنے شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ نظموں میں اشیاء اور کائناتی عمل جاری و ساری نظر آتا ہے۔ یوں واقعات اور اشیاء ایک لمحے میں شعری اظہار پا کر فکری پیکر کا حصہ بن جاتی ہیں جو کہ آفاقی کائناتی تبدیلیوں کا مظہر ہے۔ آج کے دور میں فطرت کے مختلف مظاہر کا حسن انسان کی نظروں سے اوجھل ہے جب کہ فطرت میں بے پناہ رنگی موجود ہے۔ یہی حیرت انگیز منظر و مظاہر مجید امجد کی نظموں میں جگمگا اٹھتے ہیں۔ مجید امجد کی نظمیں اشیاء و مخلوقات کے جمالیاتی حسن سے عبارت ہیں۔ اس ضمن میں ان کی نظمیں ''گاڑی میں''، ''بہار''، ''صبح کے اجالے میں''، ''بھادوں''، اور ''صاحب کا فروٹ'' اہم ہیں۔ ان تمام نظموں میں مجید امجد نے فطرت کو انسانی اور شاعرانہ مقاصد کے تحت بروئے کار لا کر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس جمالیاتی جہت میں اشیاء و کائنات کے جمالیاتی ربط و تعلق پر گہری نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فطرت کو ایک لسانی نشان متصور کیا جاتا ہے
اور اس کے لغوی معنی سے گریز کر کے، اس کو

استعاراتی اور علامتی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فطرت کو مقصود بالذات کے بجائے ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ مگر جمالیاتی فاصلہ قائم کر کے ، فطرت بطور لسانی نشان کی لغوی حرمت کا احترام کیا جاتا ہے، اس کو مقصود بالذات سمجھا جاتا ہے اور اس کی اصل اور روح تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مجید امجد نے فطرت کے ظاہر (appearance) اور اس کے غیاب کو یکساں اہمیت دی ہے۔''(۱۳)

مجید امجد کے یہاں اشیا کے حسن کا یہ تجربہ حیرت انگیز ہے اور وہ اشیا کو من و عن قبول کر کے نئی شعری پیکر میں غیر معمولی قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔'' فطرت نگارنہ صرف شعور کی جستجو میں بل کہ شعور کی تفہیم کی خاطر بھی اپنے اور اپنے قارئین کے اذہان کو مستقل طور پر تفشیش، اضطراب، تجسس اور سکون کی حالت میں رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں ان ارفع کیفیات کی جو توجیہات ہمیشہ تغیر پذیر اور نا قابل فہم ہوتی ہیں۔''(۱۴) ان کی نظم میں بین السطور یہ اصرار واضح طور پر موجود ہے کہ فطرت کی روح سے انسان کی غفلت اور عدم توجہی نا قابل برداشت ہے۔ جو انسان کو قدرتی مناظر سے دور اور محروم رکھے ہوئے ہے:

ہر بار ، اسی طرح سے بوندیں
رنگوں بھری بدلیوں سے چھن کر
آتی ہیں مسافتوں پہ پھیلے
تانبے کے ورق کو ٹھنٹھنانے (۱۵)

مجید امجد کے یہاں کھیت، پھول، پھل اور ان گنت قدرتی مظاہر سے والہانہ محبت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان کی ہر نظم کا موضوع دوسری سے الگ اور جدا ہے۔ جن میں فطرت کے تمام مظاہر ایک دوسرے کے ہم آہنگ ہیں۔ ان مظاہر میں مجید امجد نے اپنا تخلیقی اظہار مقید کیا اور اشیاء کا براہِ راست رابطہ کائنات سے جوڑا ہے۔ مجید امجد کے یہاں مناظرِ قدرت خوبصورتی کے ساتھ لفظی پیکر میں ڈھل کر سامنے آتے ہیں۔ جن سے وہ اشیا اور مظاہر غیر معمولی اشیاء کی رنگا رنگی کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ مقامیت کے گہرے شعور کی حامل ان کی نظم ''ہری بھری فصلو''

دیکھیں کہ جو ایک طرف تو شاعر کو نہال کر دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے وطن کا مان اور غرور ہیں۔ شاعرانہ اندازِ دعائیہ ہے کہ ان ہری بھری فصلوں سے ہی وطن عزیز کی عزت و آبرو ہے:

ہری بھری فصلو! جُگ جُگ جیو، پھلو! ہم تو ہیں بس دو گھڑیوں کو اس جگ میں مہمان تم سے ہے اس دیس کی شوبھا ، اس دھرتی کا مان آنے والی مست رُتوں کے ہونٹوں پر مُسکان جھکتے ڈنٹھل ، پکتے بالے ، دھوپ رچے کھلیان ایک ایک گھروندا خوشیوں سے بھر پور جہان شہر شہر اور بستی بستی جیون سنگ بسو! دامن دامن، پلو پلو، جھولی جھولی ہنسو چندن روپ سجو! ہری بھری فصلو	(۱۶)

فطرت سے لگاؤ دراصل تہذیب ہی کا دوسرا پہلو ہے۔ مجید امجد نے اسی تہذیبی لطائفات کو داخلی و خارجی اور فطری پیکر سے منسلک کر کے بیان کیا ہے۔ اس لیے ان کے یہاں تہذیبی و مقامیت کی حامل ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جس سے گائوں کے مناظر اور فضا لطیف پیرائے میں ہمارے سامنے آتی ہے:

یہ تنگ و تار	اب تک جنھیں ہوا
جھونپڑیاں گھاس	نہ تمدن کی چھو سکی
پھوس کی	یہ جھاڑیوں کے
ان جھونپڑوں سے	جھنڈ یہ انبار ریت
دور اور اس پار	کے
کھیت کے	گرمی سے ہانپتی ہوئی

یہ دوپہر کو کیکروں کی چھاؤں کے تلے ریوڑ یہ بھیڑ بکریوں کے اونگھتے ہوئے	بھینسوں کے سلسلے جھک کر ہر ایک چیز کی بو سونگھتے ہوئے(۱۷)

ان چند مثالوں سے پنجاب کی ثقافت اور تہذیبی منظر شعری عمل میں نمایاں ہوتا ہے۔ جس میں جھونپڑیاں، کھیت، ریت کے انبار، کیکر، ہل اور ہالی، کریاں اور ریورڑ، کنواں، بھینسوں کے سلسلے، میدان اور کپاس کی فصلیں دیہات کی زندگی کا عکس پیش کرتے ہیں۔

مقامیت پر مجید امجد نے بہت عمدہ نظمیں کہیں ہیں جن میں ایک خوبصورت نظم ''ریورڑ'' ہے۔ یہ نظم پنجابی ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

مست چرواہا ، چراگاہ کی اک چوٹی سے
جب اترتا ہے تو زیتون کی لانبی سونٹی
کسی جلتی ہوئی بدلی میں اٹک جاتی ہے
بکریاں، دشت کی مہکار میں گوندھا ہوا دودھ (۱۸)

مذکورہ نظم کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مجید امجد کو پنجاب کی اقدار و روایات اور مقامی و ثقافتی منظر نامے سے گہری وابستگی تھی جو ان کے تاریخی شعور پر دلالت کرتی ہے۔ پنجاب کی ثقافت کے حوالے سے تاریخی شعور ان کی نظم ''مقبرہ جہانگیر'' میں ملتا ہے۔ یہ نظم فطرت، تاریخ اور تہذیب کے مٹتے نشانات کی کسک معلوم ہوتی ہے۔ جس کا اظہار ایک دردمندانہ رویے کے تحت ظاہر ہوتا ہے:

تین سو سال سے مبہوت کھڑے ہیں جو یہ سرو ان کی شاخیں ہیں کہ آفاق کے شیرازے ہیں صفِ ایام کی بکھری ہوئی ترتیبیں ہیں اِن کے سائے ہیں کہ ڈھلتی ہوئی تہذیبیں ہیں	(۱۹)

یہ نظم درد و غم کے تخلیقی بیانیہ کے ساتھ ایک منفرد، انوکھی اور رفیع تر شعری و بصرتی جسارت سے متصل ہے کہ جس میں مجید امجد نے مغلوں کی تہذیب کو مٹتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ نظم تہذیبی نشانات کی مٹنے کا دکھ اور گہرا کرب لیے ہوئے ہے۔ قدیم نشانیاں فطرت اور انسانی ثقافت اپنا وجود کھو رہی ہے۔ مجید امجد نے اس نظم میں کہنہ تہذیب کی لاجواب نقشہ کھینچا ہے جس میں درختوں سے موانست کا رویہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ مجید امجد تین سو سال سے کھڑے درختوں کو اس تہذیب کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ پھلواڑیاں، لاشوں، امریاں، گنبد، مینار، محراب، برج، گُتھلیاں، دریچے، فوارے ، دھواں، درختوں کے جھنڈ، راوی اور گاڑیوں کا دھواں وغیرہ جیسے الفاظ پنجاب کی ثقافت اور مقامیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں جو مجید امجد کے تخلیقی و تعمیری ذہن اور ان کے سماجی شعور کا عکاس ہیں۔

مجید امجد کے یہاں مقامیت کے زیرِ اثر پنجاب اور اس کے عظیم شہر لاہور کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے اور اس بڑے شہر کی معاشرتی زندگی دیہی زندگی سے بالکل جدا ہے۔ مجید امجد نے لاہور جیسے عظیم اور تاریخی شہر کے بارے میں دو نظمیں ''لاہور'' اور '' لاہور میں'' کہہ کر مقامیت پسندی کا واضح ثبوت پیش کیا ہے۔ نظم ''لاہور'' میں لاہور کو عظیم شہر قرار دیتے ہیں اور اسے آئندہ مستقبل میں خطرات سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں:

بات یہ ہے، عظیم شہر، تجھے۔۔۔ شاید اس بات کا گماں بھی نہ ہو ایک دن آئے گا۔۔۔ خدا نہ کرے کبھی وہ دن آئے۔۔۔ جب ترے برج قَدَر انداز دشمنوں سے بھرے	(۲۰)

مجید امجد اپنی نظموں میں درخت، کھیت کھلیان، پرندوں اور جانوروں کے ذکر سے نظم کے بیانیے کو لطافت میں ارتفاع کرنے کے متمنی ہیں جو ایک فطرت اور حسن پسند شاعر کی تخلیقی و ذہنی اُپج کو مزید بکھیرتا ہے۔ ان کی نظموں میں ہمیں فطرت سے لگاؤ اور اس سے منسلک جدید دور کے انسان، جانوروں اور پرندوں کا دکھ اور کرب بھی ملتا ہے جو باہم ضم ہو کر انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی کرب بن جاتا ہے۔ اس اتصالی صورت سے ان کی نظموں میں مسرت و انبساط اور حزن و ملال کی گونج سنائی دیتی ہے۔ مجید امجد نے اپنی نظموں میں جانوروں اور پرندوں کو فطرت کے حسین نظاروں کو دیکھنے اور سمجھنے کا اہم محرک قرار دیا ہے۔ اس

ضمن میں نظم ''بن کی چڑیا'' قابلِ ذکر ہے۔بن کی چڑیا صبح سویرے جنگل کے سر کنڈوں کی کونپل پر بیٹھے اپنے آپ سے مکالمہ کرتے ہوئے اپنے من کی بات کا راگ الاپتی ہے لیکن یہ کیا گاتی ہے ، کیا کہتی اوراس کے بھید کیا ہیں ؟کوئی نہیں جانتا۔وہاں سب کے سب بہرے ہیں۔کون ننھی چڑیاکا راگ سنے:

کرن کرن پر ناچ رہی ہے اس کے من کی کہانی کیا گاتی ہے؟ کیا کہتی ہے؟ کون اس بھید کو کھولے جانے دُور کے کس اَن دیکھے دیس کی بولی بولے؟ کون سُنے، ہاں کون سنے،راگ اس کے راگ البیلے سب کے سب بہرے ہیں۔۔۔میدان،وادی،دریا،ٹیلے ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے!	(۲۱)

چڑیاجو اپنی خوبصورتی اور معصومیت کے لحاظ سے فطرت کا حسین پیکر معلوم ہوتی ہے آج وہ اس دنیا میں تنہائی کا شکار ہے۔کوئی بھی انسان یا وجودی مظہر اس ذی روح کا بھید نہیں جان سکا۔مجید امجد نے ''ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے!'' ترکیب استعمال کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ تنہائی کا عالم اس تمام جہان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ظالم تنہائی نے جنگل کو بھی ویرانوں میں تبدیل کر دیاہے جس میں بن کی چڑیااپنے من کی بات بتاتی ہے لیکن تنہائی نے اس قدر ڈیرے ڈال رکھے ہیں کہ کوئی بھی انسان یا جنگل اس کی منشا کو نہیں سمجھ سکتا۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر ''بن کی چڑیا'' کی اسی فریاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''بن کی چڑیا کی علامت کا 'حقیقی معنی' تو پنجاب کی دیہی ثقافت ہے، جسے پنجاب میں ہی لکھی جانے والی اردو نظم کے مرکز میں جگہ نہیں ملی؛ امجد کی نظم اس کی خاموشی کی آواز بنتی ہے؛ جب کہ بن کی چڑیا کے تخیلی معنی آرکی ٹائپل ہیں۔ان کا تعلق بہ یک وقت ثقافتی اور اجتماعی لا شعور سے ہے۔چڑیا انسانی ہستی کے نسائی آرکی ٹائپل کی علامت ہے؛اس کے من کا بھید گیت میں چھپا ہے۔یہ سراپا راگ ہے، آرٹ کی کسی قدیم دیوی کی مانند۔''(۲۲)

مجید امجد جانوروں اور پرندوں کو کائناتی مظاہر کے باشندے سمجھتے ہیں۔اس لیے وہ ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر انھیں برابر کا شریک کرتے ہیں۔اس ہمدردانہ پہلو میں نظم ''گوشت کی چادر'' میں موجود بیل، ''بارکش'' میں بوجھ اٹھانے والا گھوڑا، ''چیونٹیوں کے ان قافلوں کے اندر''چیونٹیوں کے مسائل، ''پکار'' میں موجود کالی چونچ اور نیلے پیلے پنکھوں والی لالی، ''افریشیا'' کے خوبصورت پنچھی اور مرغابیاں، '' کوہستانی جانوروں۔۔۔'' میں موجود سمور (لومڑی کی قسم کا ایک جانور جس کے بدن پر بہت نرم بال ہوتے ہیں اور اس کی کھال سرخی مائل بہ سیاہی و تیرگی ہوتی ہے)، ''اے ری چڑیا'' میں خوشیاں ڈھونڈتی چڑیا، اور ''بہار کی چڑیا'' جیسی نظم میں اڑتی چہکتی اور گاتی چڑیا جسے مجید امجد نے '' نئی رتوں کی بنجارن'' کا نام دیا ہے' یہ سب پرندے شعری پیرائے میں اپنے اپنے جمالیاتی و فطری صورت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

تہذیبی و ثقافتی جہات خالص مقامی رنگ و بو کی متحمل ہوتی ہیں اور مابعد جدیدیت کے حوالے سے سماجی، معاشی اور ثقافتی صورتِ حال کے تناظر میں مرکزی بیانیے کی توثیق کرتی ہیں۔اس لیے مقامیت کی جڑیں تہذیب اور ثقافت سے انسلاک کرتے ہوئے مقامی زبان کو بھی اپنے زیرِ اثر رکھتی ہیں۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہر قوم یا سماج کو زبان کے ساتھ گہرا اُنس اور لگاؤ ہوتا ہے لیکن اگر ہم مقامی زبان اور ثقافت کے حصار کو اس طرح مقید کر دیں کہ تہذیب کی بات کرتے ہوئے زبان کے رچاؤ اور اس کے تہذیبی رنگ کو چھوڑ دیں تو یہ مقامیت پسندی محدود ہو کر رہ جائے گی۔اس لیے مقامیت پسندی کی ذیل میں مقامی زبان کے ذکر اور اس کے اصل رنگ سے لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا۔لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقامیت کا تعلق تہذیب، تہذیب کا تعلق زبان اور زبان کا تعلق سماج سے ہے۔زبان ہی وہ ذریعہ ہے جو کثیرِ معنی سے مملو تصورات و خیالات کو روایت اور عصری و تہذیبی حسیّت سے جوڑتے ہوئے جذبہ، احساس اور شعور و آگہی کے وجود کو قائم و دائم رکھتی ہے۔ان تمام تر بیانات کی روشنی میں مجید امجد کی نظموں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے زبان کو بھی تخلیقی و شعری سطح پر اچھوتے انداز میں استعمال کیا ہے۔

مجید امجد نے پنجابی الفاظ کے استعمال سے فکری و لسانی اور ثقافتی ہم آہنگی کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔انھیں اپنی دھرتی کے کلچر سے خاص لگاؤ تھا اور اس کے شعری اظہار کے لیے پنجابی زبان کے الفاظ تخلیقی رچاؤ کے ساتھ برتے ہیں۔جو اس بات کا غماز ہیں کہ انھوں نے پنجاب کی مقامیت کے پیشِ نظر وہاں کے عوامل و عناصر کو مقامی زبان میں پیش کرنے کو

ترجیح دی ہے۔ ان کا یہ رنگ ثقافتی و مقامی شعور کے حسن کے ساتھ ساتھ تصورات کو وسعت اور تہ داری عطا کرتا ہے۔ مجید امجد پنجابی زبان کے الفاظ کو اس طرح مصرعوں میں پروتے ہیں کہ وہ اردو ہی کا حصہ بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً نظم "مژمردہ پتیاں" میں پنجابی زبان کے بعض الفاظ اس قدر خلاقانہ آویزش سے نظم کا حصہ بنتے محسوس ہوتے ہیں کہ یہ صرف مجید امجد ہی کا خاصہ ہے:

بکھری ہیں صحن باغ میں پژمردہ پتیاں	
دوشیزئہ بہار کے دامن کی دھجیاں!	
ہمدم! غمیں نہ ہو کہ یہ مٹتی نشانیاں	
اک آنے والی رُت کی ہیں شیریں کہانیاں!	(۲۳)

مذکورہ بالا بند میں باغ کی زبوں حالی کو ایک دردمندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس میں پژمردہ پتیاں باغ کے صحن میں بکھر کر اپنا نام و نشان کھو رہی ہیں اور ساتھ ہی ایک نئی رُت کے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ نظم " بارش کے بعد" میں بھی پنجابی الفاظ کو اس وسیع تناظر میں برتا گیا ہے کہ جو اردو ہی کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں:

مینہ تھما ہے، اور ابھی ہلکی پھہار آتی	
ہیکچپاتے ہوئے کیچڑ کو کچوکے دیتی۔۔۔	(۲۴)

مینہ، اور پھہار دونوں الفاظ پنجاب کی روزمرہ زندگی میں عمومی طور پر آتے ہے۔ اس کے ساتھ نظم میں تھالوں، چھابوں، اور پینگوں جیسے خوبصورت الفاظ در آئے ہیں۔

پنجابی زبان سے گہرے لگاؤ کی ایک واضح مثال کلیات میں موجود نظم " ایئر پورٹ تے" ہے۔ جو ان کے سماجی و ثقافتی شعور اور داخلی و خارجی مشاہدے کی غماز ہے۔ اس نظم کو پنجاب، پنجابی زبان اور اس کی تہذیب و ثقافت کی ترجمان کہا جا سکتا ہے:

میدان ہوائی جہازاں دے اساں وچ قطاراں ، ڈٹھی	
سو سو بتی بلدی کائی رتی تے کائی چٹی	
اُڈدے آون تے اُڈدے جاون کونجاں وانگ کھٹولے	
جنھاں ڈِٹھی ست اسماناں دی ہر گھجل تھاں ان ڈٹھی	(۲۵)

مجید امجد پنجابی الفاظ کو تخلیقی سطح پر سماجی اور ثقافتی شعور کے ذریعے صفحہء قرطاس پر بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ثقافتی و تہذیبی پیرایہ اظہار کے لیے متنوع زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں۔ جن میں فارسی، ہندی اور پنجابی الفاظ شامل ہیں اور ان کے استعمال سے شعری بیان کو خوبصورت بناتے ہیں۔ ''مجید امجد کے ہاں عربی الفاظ، طویل اور مختصر فارسی تراکیب، ہندی اور مقامی الفاظ اور کہیں کہیں انگریزی الفاظ معنویت کو سہارا دینے اور اسے پر تاثیر بنانے کے لیے حسب ضرورت لائے گئے ہیں۔ جہاں موضوعات مابعد الطبیعاتی، فلسفیانہ یا مذہبی کلچر سے تعلق رکھتے ہیں وہاں عربی اور فارسی الفاظ و تراکیب کا غلبہ ہے۔ جہاں مقامی منظر نامہ ہے وہاں ہندی اور مقامی الفاظ ہیں، کہیں ایک ہی نظم میں حسب ضرورت عربی، فارسی، ہندی، اور مقامی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔''(۲۶) مجید امجد کے منظومات میں پنجابی الفاظ کے تخلیقی عمل کا استعمال نہایت عمدگی سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں کلیاتِ مجید امجد میں ایسی اردو نظمیں ملتی ہیں جن کے عنوان پنجابی میں ہیں۔ ان میں ''دل دریا سمندروں ڈونگھے''، ''رکھیا اکھیاں''، ''اکھیاں کیوں مسکائیں'' اور ''تینوں رب دیاں رکھاں'' شامل ہیں۔

مجید امجد پنجابی شاعری سے متاثر تھے اور ان کا مزاج مقامی اور ہندی زبان سے بھی لگاؤ رکھتا تھا۔ اس لیے انھوں نے ثقافتی اظہار کے لیے ہندی الفاظ کا بھی کثیر استعمال کیا ہے۔ ان کی شاعری چونکہ مقامیت کا رنگ لیے ہوئے ہے اس لیے ان کے یہاں مناظر فطرت کی عکاسی اور ارد گرد کے ماحول کے بیانیے کے لیے ہندی الفاظ کا وسیع استعمال موجود ہے۔ عالیہ فاروق لکھتی ہیں:

> ''مجید امجد کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ایک مشکل صنفِ سخن میں ہندی زبان کو بڑی خوبی سے برتا ہے اور ہندی زبان، ثقافت اور ماحول کو اردو زبان میں ڈھالا اور قاری کے ذہن کو ہندی الفاظ سے شناسائی دی''۔(۲۷)

مجید امجد کی نظم '' خدا-ایک اچھوت ماں کا تصور''، مکمل طور پر ہندی تصور کے زیر اثر ہے:

خبر ہے تجھ کو کُچھ ، رلدو ! مرے ننھے ! مرے بالک! ترا بھگوان پرمیشر ہے اس سنسار کا پالک!	

کہاں رہتا ہے پرمیشر ؟ اُدھر آکاش کے پیچھے کہیں دور ، اس طرف تاروں کی بکھری تاش کے پیچھے	(۲۸)

اس پوری نظم میں مجید امجد نے ہندوئوں کی ذات پات کے تفرقے کو بیان کیا ہے۔ نظم میں بالک، پرمیشر، سنسار، گجر، من موہنا اور پورب جیسے الفاظ سے ہندی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمیں ''منڈیلی''، ''پون''، ''من''، ''کجرارے''، ''نیناں''، ''جوبن''، ''پربت''، ''سنگت''، ''نیارے''، ''ممئی'' ، ''پنچھی''، ''پایل'' اور ''سندر'' جیسے بے شمار ہندی الفاظ ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر نظموں مثلاً ''پنواڑی''، ''صبح جدائی''، ''آوارگانِ فطرت''، ''خودکشی''، ''کنواں''، ''سوکھا تنہا پتا''، ''ساتھی''، ''دستک''، ''بن کی چڑیا''، ''امروز''، ''راتوں کو'' ''ساجن دیس کو جانا''، ''کون دیس گیئو'' اور ''رفتگاں'' میں بھی کثیر ہندی الفاظ موجود ہیں۔

تہوار مقامی و ثقافتی سرگرمیوں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ جن میں مذہبی تہوار اسلامی تہذیب کے نمائندہ ہیں۔ اسلامی تہوار میں دو تہوار ہیں ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحی۔ اسلامی معاشرے پر تہواروں کے اثرات اور ان کے امتیازات بڑے دور رس اور دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں۔ انہی اثرات کی وجہ سے اسلامی معاشرہ اقوامِ عالم کے تہواروں سے ممتاز ہے۔ مجید امجد ان مذہبی تہواروں کو بھی اپنے شعری نظام کا حصہ بناتے ہیں۔ ان کی نظم ''عید الاضحی'' واضح مذہبی شعور کی مثال ہے:

تری حیات کا مسلک ، ترے عمل کا طریق اساس اس کی ہے کیشِ وفا پسنداں پر تجھے عزیز تو ہے سنتِ براہیمی تری چھری تو ہے حلقومِ گوسفنداں پر	(۲۹)

عید الاضحی سے قبل حج کی تکمیل ہوتی ہے جو دنیا میں رائج تمام مذہبوں اور ملتوں میں سب سے بڑا، منظم اور عالمگیر اجتماع ہے۔ دنیا بھر سے لاکھوں مسلمان بلا تفریقِ رنگ و نسل اس عظیم عبادت کے لیے اکھٹے ہوتے ہیں۔ یہ مذہبی اجتماع نظم و ضبط، ترتیب و نسق اور اتحاد و یگانگت کی اعلیٰ مثال ہے جس کا تصور اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ یہ اجتماع ایثار و قربانی کو اجاگر کرتا ہے۔ مجید امجد نے مذکورہ نظم میں اسی ایثار کو فکری بلندی کے

ساتھ پیش کیا ہے۔ جس میں امیر و غریب سب اس شوکتِ کونین کے قدموں میں سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اسلام اور دین سے وفا کی اساس اسی میں ہے۔ انھوں نے شوکتِ کونین، اوجِ بلنداں، حیات کا مسلک، کیشِ وفا پسنداں، سنتِ ابراہیمی، حلقومِ گوسفنداں جیسی تراکیب استعمال کر کے سنتِ ابراہیمی کی یاد گار اور حکیمانہ مثال پیش کی ہے جو ان کے گہرے مذہبی و تہذیبی لگاؤ کو واضح کرتی ہے۔

یوں مجید امجد پنجاب کی مقامی زندگی، اقدار و روایات اور ثقافت کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے پیکر تراشے ہیں۔ وہ اپنی تہذیب اور ثقافت کے تمام عوامل و مظاہر کو شاعری کا حسن بناتے ہیں۔ انسان، انسانی اقدار، ثقافتی صورت حال اور معاشرہ ان کی شاعری کے خاص موضوع ہیں۔ ان کے یہاں ماحول اور کائناتی مظاہر گہرے مشاہدے کے توسط سے اثرات و فکر کے نئے زاویے قاری پر وا کرتے ہیں۔ جس میں وہ الفاظ سے تصویریں بناتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی فطرت کی یہ عکاسی اور قلبی واردات کے اظہار میں مظاہر فطرت غیر رسمی اسلوب اور لفظیات کا ترجمان بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کی پیش کردہ پیکر محض خارجی نہیں بلکہ وہ فطرت کے رشتے سے ہم آہنگ ہو کر متعدد نئی علامتوں اور لفظیات کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ مجید امجد کی نظموں میں ایسی کئی با معنی علامتیں ملتی ہیں جو ان کے تہذیبی و ثقافتی شعور اور عصری حالات سے پیوستہ ہیں۔ مثلا ان کی نظموں میں ہمیں ''آشوبِ صد آہنگ ساز''، ''آہنگ فنا رقص''، ''اقلیمِ طرب''، ''ان سنی دائمی راگنی''، ''بامِ زماں''، ''خراشِ خارِ محنت''، ''بیاضِ آرزو بکف''، ''قاصد مستِ گام''، ''شہر ابد''، ''ذہن فولاد''، ''بانگِ بقا''، ''فکر مرگِ غریبانہ''، ''جوئے خونِ رواں''، ''انجامِ خزاں''، ''اضطرابِ مسلسل''، ''ابد زنگ شکم''، ''بل کھاتے ضمیر''، ''تنگ و تیرہ و بے رنگ و بو'' اور ''جادہ پُرخار'' جیسی تراکیب سماجی و معاشرتی اور کائنات کے مظاہر کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔

مجید امجد پنجاب کی معاشرتی زندگی اور انسانی جذبات و احساسات باہم آمیز کر کے وہاں کی مقامی زبان کو تخلیقی سطح پر بلند کرتے ہیں۔ ان کی شاعری مقامیت کے خوبصورت پہلو سے جڑی ہوئی ہے اس لیے وہ گردوپیش اور خصوصا پنجاب کی ثقافت میں موجود اقدار و روایات اور تہذیبی تسلسل سے گہری آگہی رکھتے ہیں۔ یہ نمایاں خصوصیات ان کے تصورِ حیات و کائنات اور ثقافتی شعور میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مجید امجد کی شاعری احساس کی شگفتگی اور فکری پختگی کا خوش آئند امتزاج ہے۔ جب یہ شعور اسی گوشہ میں مظاہر فطرت و کائنات کے مطالعہ اور گہرے فکری شعور بھی ضم ہو جاتا ہے تو یہ شاعری کو ہمیشہ کے لیے بقائے دوام عطا کرتا

ہے۔ یہ تمام جہتیں ایک غیر معمولی تخلیقی عمل سے غیر معمولی نظموں کی صورت متشکل ہو جاتی ہیں۔ مجید امجد کی نظموں کا کثیر ابعاد متن کے مطالعے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نظموں میں بین السطور موجود مقامیت، ثقافتی رویے اور جمالیاتی حسن تمام تر تخلیقی اور فکری صورت میں موجود ہے۔ انھوں نے مقامی و تہذیبی اقدار و روایات، افکار و تصورات کو مرکزی حیثیت عطا کی ہے۔ ان کے یہاں مقامیت روایات کے تہذیبی رچاؤ اور تہذیب کوئی جامد شے نہیں بلکہ یہ ثقافت کے ایک مخصوص زاویے اور اعلیٰ و نئی صورت کے ساتھ موجود ہے۔

حوالہ جات

ا۔ ڈاکٹر نبیل احمد نبیل، مجید امجد ایک تجزیاتی مطالعہ اور دوسرے مضامین، (لاہور: ادارہ تحقیقات ادب، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۳

۲۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا (مرتب)، کلیاتِ مجید امجد، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۹۴

۳۔ کلیاتِ مجید امجد، ص ۱۵۹

۴۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مجید امجد۔ حیات، شعریات اور جمالیات، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۴۴

۵۔ کلیاتِ مجید امجد، ص ۳۳۶

۶۔ کلیاتِ مجید امجد، ص ۳۳۶

۷۔ ایضاً، ص ۸۷

۸۔ ایضاً، ص ۴۹

۹۔ ایضاً، ص ۳۸۰

۱۰۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، مجید امجد۔ شاعرِ حیات و کائنات، مشمولہ مجید امجد۔ یہ دنیائے امروز میری ہے، (مرتبین) ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، (لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۵)، ص ۵۱

۱۱۔ کلیاتِ مجید امجد، ص ۱۰۱

۱۲۔ڈاکٹر سہیل احمد خاں، مجید امجد کی نظم نگاری کی محسوساتی اور فکری جہتیں، مشمولہ مجید امجد ۔ایک مطالعہ ،(مرتب) حکمت ادیب،(جھنگ: ادبی اکیڈمی جھنگ، ۱۹۹۴ء)، ص ۳۵۱

۱۳۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مجید امجد۔حیات، شعریات اور جمالیات، ص ۱۲۵

۱۴۔ڈاکٹر اورنگزیب نیازی، ماحولیاتی تنقید: نظریہ اور عمل،(لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۹ء،)،

ص:۱۱۸

۱۵۔کلیاتِ مجید امجد، ص ۳۶۸

۱۶۔ایضاً، ص ۱۴۸

۱۷۔۔ایضاً، ص ۱۸۸

۱۸۔ایضاً، ص ۱۶۰

۱۹۔ایضاً، ص ۱۵۹

۲۰۔ایضاً، ص ۳۹۱

۲۱۔ایضاً ص، ۹۳

۲۲۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مجید امجد۔حیات، شعریات اور جمالیات، ص ۱۴۹

۲۳۔ایضاً، ص ۵۴

۲۴۔ایضاً، ص ۹۴

۲۵۔ایضاً، ص، ۳۸۲

۲۶۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، مجید امجد۔شاعرِ حیات و کائنات، مشمولہ مجید امجد۔یہ دنیائے امروز میری ہے،(مرتبین) ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ص ۶۰

۲۷۔عالیہ فاروق، مجید امجد کی شاعری میں ہندی عناصر،(لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۴ء)، ص:۲۷

۲۸۔کلیاتِ مجید امجد، ص ۵۰

۲۹۔ ایضا، ص ۳۵۳

ماخذات

ا۔ اورنگزیب، ڈاکٹر نیازی، ماحولیاتی تنقید: نظریہ اور عمل، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۹ء

۲۔ ادیب، حکمت، (مرتب) مجید امجد۔ ایک مطالعہ، جھنگ: ادبی اکیڈمی جھنگ، ۱۹۹۴ء

۳۔ فاروق، عالیہ، مجید امجد کی شاعری میں ہندی عناصر، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۱۴

۴۔ کامران، ڈاکٹر محمد و دیگر، یہ دنیائے امروز میری ہے، لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی ،۲۰۱۵،

۵۔ محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ (مرتب)، کلیاتِ مجید امجد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء

۶۔ نبیل احمد، نبیل، مجید امجد ایک تجزیاتی مطالعہ اور دوسرے مضامین، لاہور: ادارہ تحقیقات ادب، ۲۰۱۷ء

۷۔ نیر، ڈاکٹر ناصر عباس، مجید امجد۔ حیات، شعریات اور جمالیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء